(ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم)

اسلام اور فطرتِ انسانی

اسلام ایک ایسے نظریۂ زندگی اور فلسفۂ حیات کا نام ہے جس کی تعلیم ابتدائے آفرینش سے انبیائے کرام دیتے آئے ہیں۔ دنیا کے کونے کونے میں وقتاً فوقتاً بے شمار رسول بھیجے گئے جنہوں نے نسل انسانی کے جملہ طبقات کو زمانہ و حالات کے مطابق اور لوگوں کی ذہنی و اخلاقی استعداد کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اس نظریۂ حیات کی تعلیم دی۔ چنانچہ قرآن حکیم ہمیں بتلاتا ہے۔

" اور کوئی اُمّت ایسی نہیں گذری مگر اُس میں ہدایت کرنے والا گذر چکا ہے۔" (۳۵-۲۴)

دوسری جگہ خبر دی گئی ہے:

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہم نے تم سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے، اُن میں سے کچھ تو ایسے ہیں جن کے حالات تم سے بیان کر دیئے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات بیان نہیں کیئے۔" (۴۰ - ۷۸)

انبیائے کرام کی کل تعداد کا اندازہ ایک لاکھ سے اُوپر ہے۔ چونکہ بنیادی طور پر سبھی کی تعلیم اور دعوت ایک ہی تھی۔ اس لئے ہر پیغمبر نے اپنے پیشرو کی تصدیق کی اور اپنے بعد آنیوالے کی بشارت دی، تاہم انبیائے کرام کے پیغام کی نظریاتی تکمیل اور انسانی زندگی کے جملہ پہلوؤں (مثلاً معاشرتی، سیاسی، معاشی، تعلیمی اور دفاعی) پر اس کا عملاً اطلاق رسول اکرم حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے عملی نمونے سے ہُوا۔ جو سب سے آخری نبی ہوئے ہیں۔ اس لئے 'اسلام' کی اصطلاح کلیتہً" آپؐ کی تعلیمات (جو قرآن و حدیث میں منضبط ہیں۔) کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ جملہ انبیائے کرام کی تعلیمات کا واحد ذریعہ بنیادی طور پر ایک ہی ہے۔ یعنی وحئ ربانی، اس لئے قرآن مجید ہمیں خبردار کرتا ہے کہ کوئی شخص جو سابق انبیاء میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے مسلمان نہیں، سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے۔

"(اور متقی وہ لوگ ہیں) جو اس کتاب (قرآن حکیم) پر اور تم سے پہلے پیغمبروں پر نازل ہونیوالی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔" (۴-۲)

اسی سلسلے میں ایک اور مقام پر فرمایا گیا ہے:

"مسلمانو! کہو کہ ہم خدا پر ایمان لائے، اس کتاب پر جو ہم پر نازل ہوئی اور جو صحیفے حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے اور جو کتابیں حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو عطا ہوئیں، اُن پر نیز دیگر انبیاء، کو ان کے پروردگار کی طرف سے جو کتابیں ملیں، ہم اُن سب پر ایمان لاتے ہیں۔ ہم ان انبیاء میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں سمجھتے اور ہم خدائے واحد کے فرمانبردار ہیں۔" (۱۳۶-۲)

اگر رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تعلیمات کا نچوڑ ایک لفظ میں بیان کرنا چاہیں تو وہ لفظ "محبت" ہی ہو سکتا ہے۔ اسلام پوری نسل انسانی کے لئے محبت کا پیغام ہے۔ ایسی پاکیزہ، پرخلوص، بے لوث اور سچی محبت جو انسانی تصور میں آسکے۔ ایسی محبت جس میں ذرا بھی مایوسی اور ناکامی کا احساس نہ ہو، لحظہ بہ لحظہ پاکیزگی، خلوص اور تکمیل کی طرف ارتقاء پذیر محبت۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ منصب نبوت فطرت کے کس مقصد کی تکمیل کرتا ہے؟ کیا انسان واقعتہً اس چیز کا محتاج ہے کہ اُسے سچی، پاکیزہ، مکمل اور مستقل محبت کا طریقہ سکھایا جائے۔ جیسا کہ ماضی میں انبیاء کرام نے سکھایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کے اندر خالص، پاکیزہ، سچی اور دائمی محبت کا داعیہ سب سے زیادہ قوی اور دوسرے تمام داعیات پر حاوی ہونے والا داعیہ ہے۔ بلکہ شاید یہ کہنا غلط نہ ہو کہ یہ واحد داعیہ ہے جو فطرتِ انسانی میں ودیعت کیا گیا ہے۔ چونکہ نبوت وہ واحد وسیلہ ہے جو مناسب اور معتدل انداز میں اس داعیے کی تسکین کا اہتمام کرتا ہے۔ اس لئے منصب نبوت نہ صرف فطرت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد پورا کرتا ہے بلکہ یہ فطری اشیاء کو منضبط کرنے کے لئے بھی ناگزیر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"تو تم یکسو ہو کر دین (خدا کے راستے پر) سیدھا منہ کئے متوجہ رہو، اور خدا کی فطرت کو جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کئے رہو) خدا کی بنائی ہوئی فطرت میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ یہی سیدھا دین ہے۔ مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔" (۳۰-۳۰)

انسانی فطرت کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ مدارج کے لحاظ سے انسان میں دو طرح کی خواہشات پائی جاتی ہیں

ایک وہ جو بحیثیت جاندار اس کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہیں۔ مثلاً بچوں کو دودھ پلانا، جنسی کشش اور جنجوئی وغیرہ۔ انہیں فطری جبلیات (INSTINCTS) کہا جاتا ہے اور یہ انسان و حیوان (جو ارتقائی دوڑ میں انسان سے پیچھے ہے) دونوں میں مشترک ہیں۔ ان جبلیات کے داخلی حیاتیاتی تقاضے جاندار کو ان کی تسکین پر مجبور کرتے ہیں۔ اس تسکین سے جاندار کو ایک خاص قسم کا سرور یا راحت حاصل ہوتی ہے۔ جس سے جاندار اپنی صحت اور بدن کی فطری نشوونما قائم رکھتا ہے اور اس کی نسل قائم رہتی ہے۔ دوسری قسم کے داعیات وہ ہیں جو جاندار کی فطرت سے بحیثیت انسان صادر ہوتے ہیں۔ مثلاً کسی نصب العین کا داعیہ، نیکی و بھلائی کا داعیہ، حصولِ علم کا داعیہ، فنی تخلیق یا آرٹ کا داعیہ،

یہ داعیات انسان کے لئے خصوصی مراعات کا درجہ رکھتے ہیں کیونکہ دوسرے جاندار ان سے محروم ہیں۔ ان داعیات کی تسکین کے ساتھ حیاتیاتی جبر اور دباؤ وابستہ نہیں۔ یہ اپنی جگہ مطلق، آزاد ہیں۔ ان کا تعلق کلیتہً نفسیاتی سطح سے ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کی تسکین کا راستہ حیاتیاتی یا جبلی طور پر مقرر کردہ نہیں۔ ان داعیات میں سے ہر ایک کی تسکین سے ایک مخصوص نوعیت کی خوشی حاصل ہوتی ہے جو اپنی بہترین اور اعلیٰ ترین صورت میں بلحاظ خوبی اور شدت اس خوشی سے کہیں بڑھ کر ہے جو کسی فطری جبلت کی تسکین سے ملتی ہے۔ ان داعیات کی تسکین کا سامان کسی بیرونی تحریک یا دباؤ کی وجہ سے نہیں بلکہ خود اُن کی خاطر کیا گیا ہے۔ ان کا نصب العین حسن کامل کی تلاش ہے۔ اور نصب العین سے مراد ایک ایسا نظریہ ہے جس کے ساتھ انسان ایسا ارفع و اعلیٰ حسن یا کمال منسوب کرتا ہے جو اُس کے شعور میں آسکے۔ نیکی اور بھلائی کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسان اپنے عمل میں حسن کا مظاہرہ کرے۔ اسی طرح داعیہ علم در حقیقت داعیۂ صداقت ہی کا دوسرا نام ہے جس سے ہم محبت کرتے اور اُسے سراہتے ہیں وہ بھی حسن ہی کا ایک پہلو ہے۔

داعیہ نصب العین نفسیاتی سطح پر دیگر تمام داعیات پر غالب ہوتا ہے۔ کیونکہ جب کبھی ان داعیات کی تسکین سے حصولِ نصب العین میں مدد نہ ملتی ہو اور ایسا اس صورت میں ہوتا ہے جب کوئی غلط نصب العین اپنا لیا جائے تو داعیہ نصب العین سے مدد لی جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے نصب العین کے ساتھ وہ تمام حسن و خوبی منسوب کر دیتا ہے جسے وہ اپنے نصب العین میں دیکھنے کا خواہش مند ہو۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہر نصب العین کے ساتھ ایک مختلف اخلاقی ضابطہ، مختلف فلسفہ، مختلف نقطۂ نظر، سائنس کا مختلف استعمال اور مختلف آرٹ کیوں وابستہ ہوتا ہے۔ اسی پر بس نہیں داعیۂ نصب العین حیاتیاتی

سطح پر بھی دوسرے جملہ داعیات پر حاوی ہوتا اور انہیں منضبط کرتا ہے۔ ایک جاندار اپنے داعیات کے حیاتیاتی جبر کو نہیں روک سکتا اور کسی نصب العین کے بغیر بھی تسکین حاصل کر سکتا ہے لیکن صرف اس حد تک جہاں تک اس کا نصب العین اس کی اجازت دے دے اس سے زیادہ نہیں۔

جب کسی ایک فرد کا نصب العین اپنی بقا کا متقاضی ہو تو وہ اپنے داعیات کی مناسب تسکین کے لئے انتہائی جدوجہد کرتا ہے لیکن اگر نصب العین کے تقاضے اس کے برعکس ہوں تو وہ اپنے داعیات کی تسکین سے اغماض برتتا ہے اور ایسا کرنے میں جان بھی چلی جائے تو پرواہ نہیں کرتا ——— اس حقیقت کی تائید میں ہمارا مشاہدہ ہزاروں مثالیں پیش کر سکتا ہے کہ لوگ رضاکارانہ طور پر اپنے حیوانی داعیات سے اغماض برتتے ہیں یا انہیں بالکل کچل ڈالتے ہیں۔ بے پناہ مشکلات برداشت کرتے ہیں جن میں جان تک کا خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ تختۂ دار پر لٹک جاتے ہیں یا اپنے نصب العین کی خاطر میدانِ جنگ میں جامِ شہادت پی لیتے ہیں۔

گویا اصل میں انسان صرف ایک داعیہ رکھتا ہے جسے داعیۂ نصب العین کہتے ہیں۔ یہی داعیہ اس کی ساری سرگرمیوں کو مہمیز کرنے والی واحد اور انتہائی قوت ہے۔ اس کی نشوونما میں رکاوٹ پڑ جائے، تو انسان کی شخصیت کمزوری، ناتمامی، مختلف قسم کی تکالیف، درد، اعصابی تناؤ اور بے چینی کا شکار ہو جاتی ہے۔ جبکہ اس کی مکمل اور مسلسل تسکین سے انسان کو خوشی اور خود اعتمادی حاصل ہوتی ہے۔ ایک انسان کو اپنے نصب العین سے جس قدر لگاؤ اور محبت ہوگی، اس کی شخصیت اُسی قدر جامع، صحیح و سالم، بہتر انداز میں ارتقا پذیر، مضبوط تر، ارفع و اعلیٰ اور نیک سرشت ہوگی اور اُسے قدر زیادہ راحت میسّر آئے گی۔

چونکہ خود شعور ہونے کی حیثیت سے انسان ہمیشہ سے کسی ایسے نصب العین کی تلاش میں سرگرداں ہے جس سے وہ محبت کر سکے اور اس کی تکمیل کے لئے کوشاں رہے۔ دوسروں کے سامنے اس کی ستائش کر سکے اس کے ساتھ دائمی لگاؤ رکھ سکے، نہ اس کی لگن میں کمی آنے پائے اور نہ ہی مایوسی کا شکار ہو۔ یعنی ایک ایسا نصب العین جو حسن و کمال میں سب سے ارفع اور مستحکم ہو۔ بسا اوقات ایسے نصب العین کی تلاش میں بہت سی تکالیف اٹھانی پڑتی اور مصائب جھیلنے پڑتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض اوقات جان کا نذرانہ بھی دینا پڑتا ہے۔ پھر بھی انسان اپنے نصب العین سے دستبردار نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی بے چین فطرت اسے اس بات پر ابھارتی ہے کہ اپنے نصب العین سے چمٹا رہے۔ بنی نوع انسان کی پوری تاریخ جو اپنے جملہ پہلوؤں اور

مراحل میں (وہ اخلاقی ہوں یا قانونی، علمی، معاشی اور سیاسی) زمانۂ قدیم سے لے کر آج تک بڑے بڑے انسانی گروہوں کے مابین جنگ و جدل، خونریزی و خون آشامی نیز ظلم و تشدد اور مصائب و آلام سے بوجھلوں نظر آتی ہے وہ درحقیقت انسان کی اپنے نصب العین کے لئے شدید لگن اور تڑپ ہی کی روئداد ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون سے اوصاف ہیں جو انسان کے نصب العین میں پائے جانے چاہئیں اس کا جواب داعیہ نصب العین کی کیفیت میں ہی مضمر ہے جسے صرف اور صرف ایسے نصب العین سے تسکین مل سکتی ہے جو حسن و کمال کے انتہائی درجے پر ہو۔ یعنی ایسا نصب العین جو ہر ایسے نقص اور خامی سے پاک ہو، جو ہماری چشم تصور میں آسکے۔ اور جو اپنے اندر اعلیٰ درجہ کی وہ تمام خوبیاں رکھتا ہو، جنہیں فطری مناسبت سے محبت کے لائق توصیف کے قابل اور حسن سے مملو سمجھیں۔

خامی اور نقص سے محبت کو دشمنی ہے، چنانچہ نصب العین میں معمولی سے نقص یا کمال میں تھوڑی بہت کمی سے آگاہی اس کے ساتھ وابستہ لگاؤ کو نفرت میں بدل دیتی ہے ایک انسان کسی پست غلط اور نامکمل نصب العین سے بھی محبت کر سکتا ہے۔ لیکن صرف اس وقت تک جب تک کہ اُسے نصب العین کی اصل حقیقت سے آگاہی حاصل نہ ہو اور غلطی سے یہ سمجھ لے کہ اس کے نصب العین میں واقعتاً حسن و کمال کی تمام صفات موجود ہیں۔

ان عام معروضات کی مدد سے ہم بآسانی انسانی نصب العین کے مخصوص محاسن معلوم کر سکتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ نصب العین لازماً لامحدود اور دائمی حسن کا حامل ہو۔ کیونکہ اگر انسان کو پتہ چل جائے کہ اس کا نصب العین محدود حسن رکھتا ہے اور ایک حد سے آگے نہیں جا سکتا تو اسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کے نصب العین کا کوئی نہ کوئی پہلو قبیح ہے۔ اسی طرح اگر اُسے یہ معلوم ہو جائے کہ نصب العین لازوال حسن نہیں رکھتا اور کچھ مدت بعد فنا ہو جائے گا تو لامحالہ وہ اسے قبیح سمجھنے لگے گا۔ نصب العین کا ایک اور وصف یہ ہے کہ وہ زندہ و متحرک ہو۔ اگر انسان کے علم میں یہ بات آجائے کہ اس کا نصب العین جامد و ساکت اور زندگی بخش توانائیوں سے محروم ہے تو انسان جو خود زندہ و متحرک ہے، ایسے نصب العین سے لگاؤ نہیں رکھ سکتا۔ نہ ہی اس کی خاطر جان کی بازی لگا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں نصب العین کی زندگی بھی اس کے حسن کی طرح دائمی ہونی چاہیئے۔ جس نصب العین کے کچھ مدت بعد ختم ہو جانے کا ذرا سا بھی گمان پیدا ہو جائے تو بالآخر وہ اس بات کا قائل ہو جائے گا کہ اس کا نصب العین آج بھی بالقوہ مُردہ اور

بے جان ہے۔

انسان کے نصب العین میں درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی زندگی کی وہ ساری خوبیاں پائی جانی چاہئیں جن سے وہ اپنے ذاتی معاملے میں متعارف ہے۔ یعنی اُسے سننے، دیکھنے، سمجھنے، محسوس کرنے، محبت کرنے اور محبت کا جواب دینے کی صفات سے مملو ہونا چاہیئے۔ اس کے پیشِ نظر کوئی مقصد ہونا چاہیئے، جسے انسانی دنیا میں حاصل کیا جاسکے۔ اس کے اندر اتنی قوت اور توانائی ہونی چاہیئے جو اس مقصد کے لئے کام کرسکے اور اُسے کامیابی سے ہمکنار کرسکے۔ دوسرے الفاظ میں اس کے کچھ مرغوبات اور کچھ مکروہات ہونی چاہئیں۔ جس چیز کو پسند کرے اس کی حمایت کرسکے اور جسے ناپسند کرے اس کی حوصلہ شکنی ہی نہیں بلکہ اسے تباہ و برباد کرسکے۔ وہ اپنے چاہنے والوں اور مددگاروں کو اجر سے نواز سکے اور دشمنوں اور مخالفوں کو سزا دے سکے۔ مختصر یہ کہ اُسے محبت اور نفرت کرنے کی صفات سے متصف ہونا چاہیئے اور اپنے مقصد کے حصول کی خاطر انہیں استعمال میں لانا چاہیئے۔ اگر انسان کے نصب العین میں مذکورہ بالا خوبیوں میں سے کوئی ایک غائب ہو تو اس کا پتہ چل جانے کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے محبت کرنا یا اس کے حصول کی کوشش کرنا ناممکن ہوجائے گا۔ محبوب کی خدمت کے لئے محبت ہمیشہ عمل کا تقاضا کرتی ہے۔ ایسا عمل جس سے محبوب کی خوشنودی و رضا اور قربت حاصل ہو۔ کسی نصب العین سے دل لگانے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اس کے لئے تگ و دو کرے اور اس کے حصول کی خاطر تکلیفیں اٹھائے یہاں تک کہ اس کے قریب تر ہوتا جائے۔ لیکن اگر کوئی نصب العین مرغوبات و مکروہات کی صفات سے تہی دامن ہو، حق و باطل کے درمیان خطِ امتیاز کھینچنے سے قاصر ہو، جس کا منتہائے مقصود کسی منتہائے عین الیقین کا حصول نہ ہو، یا اس کے پیشِ نظر مقصد میں ایسی کشش نہ ہو جو لوگوں کو اپنی طرف کھینچ سکے، تو اس کا چاہنے والا یہ جان ہی نہیں سکتا کہ اُسے کیا کچھ کرنا چاہیئے اور کیا کچھ نہیں۔ ہر شخص حصولِ نصب العین کے لئے عملی قدم اٹھانے پر مجبور ہوتا ہے۔ اس لئے فطرتاً وہ جاننا چاہتا ہے کہ کس سمت میں عملی قدم اٹھائے۔ وہ اپنے نصب العین کی ایسی خالی خولی محبت سے مطمئن نہیں ہوسکتا جو عمل میں نہ ڈھل سکے۔ اگر انسان یہ سوچنے لگے کہ اس کا نصب العین اس کے لئے کی گئی کوشش کو دیکھنے، سننے، محسوس کرنے، سمجھنے اور اس کا صلہ دینے سے قاصر ہے تو اسے اپنی جدوجہد سے کوئی تسکین حاصل نہ ہوگی۔ نہ ہی اسے جاری رکھنے کے لئے محرکات میسر آئیں گے۔ نیکی بجائے خود اپنا بدلہ ہرگز نہیں ہوتی، بلکہ اس کا صلہ یقینِ کامل کی اِس

دلربائی اور دلکشی سے حاصل ہوتا ہے جس کی توثیق خود اس کا نصب العین کرتا ہو۔ ایسا نصب العین جسے وہ زندہ و متحرک وجود اور شخصیت تصور کرتا ہو۔

انسان کا نصب العین لازماً قوی ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اگر اس میں اتنی سکت ہی نہ ہو کہ اپنے معاونین کو جزا اور مخالفین کو سزا دے سکے تو انسان یہ محسوس کرے گا کہ اس سے دل لگانا بے کار ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جب وہ اپنے نصب العین کے تقاضوں کے مطابق دنیا میں انقلاب لانے کی سر توڑ جدوجہد کرے گا تو دوسری طرف مخالفین اس کی کوششوں کو ملیامیٹ کرنے پر تلے ہوئے ہوں گے۔ اندریں صورت انسان اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اس کا نصب العین کمزور، بے کار اور محبت کرنے کے لائق نہیں۔ اس نصب العین میں تمام اخلاقی صفات اور محاسن بدرجہ اتم موجود ہونے چاہئیں۔ کیونکہ ہم اخلاقی خوبیوں کو محبت کے قابل، ستائش کی مستحق اور حسن کے مظاہر سمجھتے ہیں۔ اگر انسان یہ سوچنے لگے کہ اس کے نصب العین میں کسی وصف کا کلیتہً فقدان ہے تو وہ اسے ناقص سمجھے گا اور اس سے اس کا قلبی لگاؤ ختم ہو جائے گا۔

مزید برآں انسان کا نصب العین اپنی جگہ ایسا بے نظیر و بے مثال ہونا چاہیئے کہ کوئی دوسرا نظریہ اس کا مماثل یا شریک نہ بن سکے۔ کیونکہ اگر انسان یہ محسوس کرنے لگے۔ کوئی اور نظریہ بھی ایسا ہے۔ جس میں اس کے نصب العین کی خوبیاں موجود ہیں تو وہ بیک وقت دو نظریات سے محبت کرنے لگے گا۔ تاہم فطرتاً ایسا ہونا ناممکن ہے کیونکہ حسن اور کمال کی فطرت ہی یہ ہے کہ وہ صرف کسی ایک نصب العین میں پایا جائے۔

سب سے آخری بات یہ ہے کہ دنیا کی ساری مخلوق اس کے نصب العین کے حصول کی جدوجہد میں اس کی معاون ہونی چاہیئے اور ایسا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس کا نصب العین بجائے خود کائنات کا خالق اور منتظم نہ ہو اور وہ ان دونوں حیثیتوں میں مطلوب تمام اوصاف سے مالا مال نہ ہو۔ اگر صورتحال مختلف ہو تو کائنات میں طبعی، حیاتیاتی اور نفسیاتی سطح پر کارفرما اصول و ضوابط جو اس کے نصب العین کی تخلیق نہیں ہوں گے، نصب العین کے مشترک مقاصد سے ٹکرائیں گے۔ یوں نہ وہ خود نہ ہی اس کا نصب العین حصول مقصد میں کامیاب ہو سکے گا۔ علاوہ ازیں اگر اُسے یقین ہو کہ کل کائنات جس میں اس کی اپنی ذات بھی شامل ہے از خود پیدا ہوئی ہے اور اس کے نصب العین کی گرفت سے آزاد ہے تو وہ محسوس کرے گا کہ اس کا نصب العین خود اس کی ذات سے فروتر یا زیادہ سے زیادہ اس کے ہم پلہ ہے ایسی صورت

میں نہ وہ محبت کرنے کے قابل ہے نہ ستائش کے لائق۔ کسی نصب العین کے حسن و کمال کی یہ چند نمایاں خصوصیات ہیں۔ دیگر اوصاف بھی اسی طریقے سے متعین ہو سکتے ہیں۔

مذکورہ بالا خصوصیات ایسے بنیادی اوصاف ہیں جو انسان اپنے نصب العین سے خواہ کوئی پتھر بت، قوم، نسل، ملک، نظریہ یا مذہب ہو یا دورِ حاضر کا کوئی ازم ہو، شعوری اور غیر شعوری طور پر منسوب کرتا ہے۔ نصب العین خواہ کوئی واضح مقصد ہو، کوئی مسلک ہو یا کوئی نظریہ ہو، اس کا چاہنے والا اُسے ہمیشہ ایسی نظروں سے دیکھتا ہے گویا وہ ایک زندہ و متحرک وجود ہے جو زندگی، قوت، حسن، اچھائی اور سچائی کے جملہ اوصاف سے مملو ہے۔ فقط اُسی صورت میں وہ اپنے نصب العین سے محبت و عقیدت رکھ سکتا اور اُسے حاصل کرنے کے لئے سرتوڑ کوشش کر سکتا ہے۔

ایک طرف تو انسان ایک قوی ترین اخلاقی وجود ہے، جو دنیا کا خالق بھی ہو، دل لگانے کی زبردست خواہش رکھتا ہے اور دوسری طرف کائنات کی سب سے زیادہ مؤثر، نیز طبیعیات، حیاتیات و نفسیات کے معلوم حقائق سے زیادہ مطابقت رکھنے والی توضیح و تشریح اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی کہ کائنات کی حقیقتِ مطلق ایک قوی ترین قوت تخلیق اور خود شعوری ہے جس میں حسن و کمال کی جملہ صفات بدرجۂ اتم موجود ہیں گویا نصب العین جسے نسل انسانی تاریخی عمل کے ذریعے ڈھونڈ رہی ہے، وہ کائنات کی حقیقت مطلقہ کے سوا کچھ نہیں۔ یہی وہ حقیقت اور صداقت ہے جس پر انبیائے کرام زور دیتے رہے اور لوگوں کو اس کی طرف بلاتے رہے۔ ہر پیغمبر اور نبی نے انسانیت کے نام اپنے پیغام کا آغاز و اختتام ان الفاظ سے کیا:

"خدا کے سوا کوئی ایسا نصب العین نہیں جو محبت کے قابل، چاکری کے لائق، عقیدت کا مرجع اور پرستش کا مستحق ہو۔"

خاتم الانبیاء، حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اعلان فرمایا:

"اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو، جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔" (۲۱۔۲)

قرآنی تعلیمات بتاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو خدا کہو یا رحمٰن یا کسی اور نام سے پکارو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جو بات ہمیں ذہن نشین رکھنی چاہیئے وہ یہ ہے کہ صرف اسی کی ذات واحد ایسی ہے، جو حسن و خوبی کے جملہ کمالات و محاسن سے بغایتِ اولیٰ مالا مال ہے اور کوئی دوسرا اُن خوبیوں میں اس کا شریک

نہیں۔ قرآن حکیم کہتا ہے۔

"تم خدا کو اللہ کہو یا رحمٰن، چاہے جس نام سے پکارو، اس کے سبھی نام حسین ہیں۔" (۱۱۰ - ۱۷)

اسی سلسلے میں دوسری جگہ ارشاد باری ہے:

"اور سبھی حسین نام اللہ ہی کے ہیں، تو اس کو اس کے ناموں سے پکارا کرو، جو لوگ اُس کے ناموں میں کجی اختیار کرتے ہیں۔ ان کو چھوڑ دو۔ وہ عنقریب اپنے کئے کی سزا پائیں گے۔" (۷-۱۸۰)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے ننانوے ۹۹ صفاتی نام گنوائے ہیں۔

نبی ایک ایسی شخصیت ہوتی ہے جسے انسانیت کے سچے اور قطعی نصب العین کا علم دیا جاتا ہے۔ نبی اپنا علم صداقت کے براہ راست ادراک اور وحیٔ آسمانی کے ذریعے لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ چونکہ انسان کے وجود میں کوئی ایسی خواہش نہیں رکھی گئی جس کی تسکین کے اسباب فراہم نہ کئے گئے ہوں۔ یہ اسباب ہمیشہ اس خواہش کی تسکین کے لئے ناگزیر ہوتے ہیں۔ جس طرح زندہ رہنے کی خواہش کے لئے حیاتیاتی سطح پر انسان کے داعیات کی تسکین کی خاطر فطرت بیرونی امداد مہیا کرتی ہے۔ بعینہٖ نفسیاتی سطح پر اس کے داعیات کی تسکین کے لئے اندرونی امداد بہم پہنچاتی ہے۔ جس طرح فطرت اپنے بعض کارندوں اور گماشتوں کو انسان کے قبضہ و اختیار میں دے دیتی ہے۔ مثلاً سورج، بادل، ہوا، زمین وغیرہ تاکہ وہ خوراک پیدا کر کے اپنی بھوک مٹا سکے۔ اسی طرح حسن کے متعلق انسانی خواہش کی تسکین کا سامان مہیا کرنے کے لئے انبیائے کرام مبعوث فرماتی ہے جو انسان کی سچے نصب العین کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ انسانی داعیۂ نصب العین کو اس سے بہتر انداز میں مطمئن نہیں کر سکتا جس طرح وہ فطرت کی خارجی امداد کے بغیر اور اپنی ذاتی کاوش سے خوراک کی خواہش کو پورا کر سکتا ہے۔

بنی نوع انسان کے لئے پیغمبرانہ تعلیمات کی اہمیت اس حقیقت سے ظاہر ہوتی ہے کہ داعیہ نصب العین جو ناقابلِ مزاحمت اور ناقابلِ شکست ہوتا ہے اگر انسان اپنی جہالت یا بے اعتنائی کے باعث پیغمبرانہ ہدایت و رہنمائی سے استفادہ نہ کر پائے تو نہ صحیح نصب العین اپنا سکتا ہے نہ اس سے محبت کر سکتا ہے بلکہ اصل راہ سے بھٹک کر کسی غلط نصب العین کو دل میں بسا لیتا ہے اور پھر اس غلط نصب العین سے محبت کرنے کے سنگین نتائج اسے بالکل اسی طرح بھگتنے پڑتے ہیں۔ جس طرح صحت مند اور اچھی خوراک نہ پانے کی صورت میں مضرِ صحت غذا کھانے والے کو گندی اور خراب خوراک کے نتائج بھگتنے پڑتے ہیں۔

(ترجمہ۔ مجاہد لاہوری)